International Research Jounral of Islamic Culture & Communication

IRJICC

ISSN:3007-4630 (P),3006-8304(E)

خلافت وپاپائیت کا تاریخی پس منظر: ایک تجزیاتی مطالعہ

THE HISTORICAL BACKGROUND OF THE CALIPATHE AND THE PAPACY: AN ANALYTICAL STUDY

1. ***Muhammad Tahir*** — *Phd Scholar, Department of Islamic Studies, Ghazi University, Dera Ghazi Khan.*
Tahirchandr355@gmail.com

2. ***Dr Muhammad Ayaz*** — *Assistant Professor , Department of Islamic Studies, Ghazi University, Dera Ghazi Khan.*
Ayaz.te.bwp@gmail.com

Vol. 04, Issue, 01, Jan-March 2026, PP:111-129

OPEN ACCES at: www.irjicc.com

Article History	Received	Accepted	Published
	15-01-26	03-02-26	30-03-26

Abstract

The Caliphate system began with the existence of the state of Medina, the scholarly form of which was established after the passing of the Holy Prophet (PBUH), when Muslims elected a Caliph on merit and formally laid the foundation of the Caliphate system. The Messenger of Allah (PBUH) used the word caliphate in several sayings. And according to a narration in Bukhari Sharif, its entire system has been described as follows: In Bani Israel, political leadership was in the hands of the prophets (peace be upon them). When one prophet passed away from the world, another prophet would take his place. And I am the last Prophet, there is no prophet after me, but there will be caliphs after me."In this noble saying, the Messenger of Allah (PBUH) described the caliphate in the sense of political leadership and governance and also made it clear that after me this political leadership and governance will be in the hands of the caliphs. This caliphate system started a golden age for Muslims. The first period of the caliphate is called the era of the Rightly Guided Caliphate, which begins with the first caliph, Hazrat Abu Bakr Siddiq (RA), and ends with the last caliph, Hazrat Ali Karam Allah Wajhu al-Karim, which covers a period of approximately thirty years.In

CC BY

Christianity, there is the image of the papacy, which protects their religious and political rulers and is always ready to guide them. The papacy officially began with Peter, the disciple of Jesus (peace be upon him), who was recognized as the first bishop or pope of Rome. The papacy continued to play its role in different eras, but in the sixteenth century AD, Martin Luther started a reform movement and challenged the rulers of the papacy, in which he challenged the powers and leadership of the papacy.

KeyWords : *Islam, papacy. Caliphate , Christianity, political.*

خلافتِ راشدہ کا تاریخی پسِ منظر

اسلامی تعلیمات کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ خلافت "علی منھاج النبوۃ" سنت نبوی اور منہاج اور طریقہ نبوی پر عمل پیرا ہونے والی خلافت ہے یعنی صالحین کا وہ عہد حکومت جس کو امت محمدیہ کی اجتماعی تائید وحمایت حاصل تھی اور جس نے عدل اور حق کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے دین اسلام کے تمام ظاہری، باطنی، دنیاوی اور اخروی تقاضے پورے کئے۔ اہل سنہ والجماعہ کے نزدیک خلفائے راشدین، رسول اللہ ﷺ کے خلفائے اربعہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنھم مراد ہیں۔ جو رشد وہدایت سے بہرہ مند راہ عدل وحق پر گامزن تھے۔ اور آپ کے برحق اور جائز جانشین تھے۔ انہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پہ عمل کرتے ہوئے اسلام کی اشاعت اور امت اسلامیہ کی دینی اور دنیاوی فلاح کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔

سلطان عرب وعجم کی دو حیثیتیں:-

حضرت رسول اکرم ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک مہبط وحی ہونے کی حیثیت سے احکام ربانی کی تبلیغ اور منصب رسالت کی ذمہ داریاں: دوسری حیثیت امام المسلمین یعنی ملت اسلامیہ کے قائد اور رہنماء کی جس کا مقصد افرادامت میں نظام خیر کا قیام، نیکی کی دعوت دینا اور بدی سے منع کرنا تھا۔ ریاست سلامی کی بیرونی اور اندرونی ضروریات کو پورا کرنا اور اللہ کے نازل کردہ احکام کو عملی طور پر نافذ کرنا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد پہلی حیثیت کا سلسلہ بطور نبوت تو منقطع ہو گیا۔ البتہ دوسری حیثیت قائم ودائم رہی اور اس کا سلسلہ آگے بڑھا۔ اس سلسلے کا نام خلافت ہے۔

خلافت خاصہ وعامہ:-

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام میں دو طرح کے مکتب فکر ظاہر ہوئے: ایک نظریہ یہ تھا کہ آپ ﷺ کی نیابت کا منصب خاص ہے اور دوسرا یہ ہے کہ یہ منصب عام ہے اور ہر مسلمان جو لازمی اوصاف سے متصف ہو بلا امتیاز رنگ ونسل خلیفہ بن سکتا ہے۔ مؤخر الذکر نظریہ انصار کا تھا جو حضرت ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور حضرت ساعدہ بن عبادہ انصاری نے انصار کی اسلامی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے انصار کا استحقاق خلافت کو ثابت کیا۔ مہاجرین کی ایک بہت بڑی جماعت خلافت کو قریش میں مختص سمجھتی تھی۔ اور بعض مہاجرین کا خیال تھا کہ یہ منصب قرابت رسول کی اساس پر حضرت علی ابن ابی طالب یا حضرت عباس بن عبد المطلب کو بحیثیت وارث ملنا چاہئے لیکن اس موقع پر اکثیریت نے مہاجرین کی عظیم جماعت کے

اس موقف کی تائید کی جو یہ کہتا تھا کہ نیابت رسول خاندانی موروثی ہونے کی بجائے شورای اور بیت عامہ کی بنیاد پر ہونی چاہیئے، چنانچہ حضرت بکر اور حضرت عمر نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجلس انصار میں اوس و خزرج کی عظیم اسلامی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے ساتھ یہ استدلال پیش کیا کہ قبائل عرب کو اطاعت کا پابند بنانے کے لئے اس وقت یہ ضروری ہے کہ خلیفہ قریش میں سے ہو۔ مگر وزارت مشاورت کا منصب انصار میں رہے اور سب مہاجرین و انصار اتفاق و اتحاد سے فیصلے کریں۔

عہد خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ

نام و نسب

عبد اللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی تیمی ہے۔ آپ نسب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مرہ بن کعب سے ملتے ہیں۔ [1]

فضائل و مناقب

امام نسفی نے تبصرۃ الأدلۃ میں فرمایاہے: رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے، آپ رضی اللہ عنہ واجب الاطاعت اور ہر اس امر میں واجب الاتباع تھے جسے آپ رضی اللہ عنہ واجب کرتے، صادر فرماتے، جس کا حکم دیتے اور جس سے منع کرتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ صحت خلافت کی شرائط کے جامع تھے۔ اس میں کسی کو کچھ شک نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ قریشی تھے۔ قریشی ہونے کے علاوہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ علم، امانت داری، دین پر سختی سے کاربندی، دل کی مضبوطی، جنگی منصوبہ بندیوں سے آگہی، افواج کی تیاری، فوجی دستوں کی تعیناتی، سیاست عامہ کی معرفت اور عوام الناس کے امور کو مساویانہ طریق سے نپٹانے جیسی تمام صلاحیتوں کے مالک تھے۔ قوت عزیمت اور خودداری سے متصف تھے اور جنگی میدانوں اور مبارزت اور لڑائی کی جگہوں میں مشہور، جنگجوؤں اور معروف بہادروں کے خلاف ان کی زور آوری، جراتمندی اور فتح یابی کی گواہی دی جاتی ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم نے انہیں چنا تھا اور ان کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ [2]

حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت اور اس کے انعقاد کا بیان

منصب خلافت پر فائز کرنا

وَرُوِيَ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ: إِنْ تُوَلُّوهَا أَبَابَكْرٍ تَجِدُوهُ ضَعِيفًا فِي بَدَنِهِ قَوِيًّا فِي أَمْرِ اللَّهِ تَعَالَى، وَإِنْ تُوَلُّوهَا عُمَرَ تَجِدُوهُ قَوِيًّا فِي بَدَنِهِ قَوِيًّا فِي أَمْرِ اللَّهِ، وَإِنْ تُوَلُّوهَا عَلِيًّا تَجِدُوهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا [3]

"حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم اس منصب پر ابو بکر کو فائز کرو گے تو تم اسے جسمانی طور پر کمزور، مگر امر الٰہی میں قوی پاؤ گے، اگر تم اس پر عمر کو فائز کرو گے تو تم اسے مضبوط جسم والا بھی اور امر الٰہی میں بھی طاقتور پاؤ گے، اور اگر تم اس پر علی کو فائز کرو گے تو تم است ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے۔"

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اقتداء کا حکم

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد حضرت ابو بکر صدیق کی اقتداء کرنا۔(اس کو طبرانی نے ابوالدرداء ہی سے اور حاکم نے حضرت ابن مسعود بھی اللہ سے روایت کیا ہے۔[4]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق ہی میرے بعد بہت کم دنیا میں رہیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی اس حدیث کی سند پر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے پہلے جملہ پر تمام محدثین کا اتفاق ہے اور یہ حدیث چند طریق پر وارد ہوئی ہے۔[5]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خلافت ابو بکر پر اعتماد

قَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَقِيلُونِي وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ، قَالَ لَهُ عَلِيٌّ: لَا نُقِيلُكَ وَلَا نَسْتَقِيلُكَ، قَدَّمَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَا نُؤَخِّرُكَ، رَضِيَكَ لِدِينِنَا فَرَضِينَاكَ لِدُنْيَانَا[6]

"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (اپنی خلافت کی بیعت کے موقع پر) کہا: تم میری بیعت توڑ دو، میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: نہ ہم آپ کی بیعت توڑیں گے اور نہ ہی آپ کی بیعت کو منسوخ کریں گے۔ آپ کو تو رسول اللہ ﷺ نے (ہماری امامت کے لیے نماز میں) آگے بڑھایا تھا، ہم آپ کو پیچھے نہیں کریں گے، حضور ﷺ ہمارے دین کے لیے آپ سے راضی ہوئے، سو ہم اپنی دنیا کے لیے آپ (کی امامت) سے راضی ہیں۔"

صحابہ کا خلافت صدیقی پر اجماع تھا:

زعفرانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع ہے۔ کیونکہ جب لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بہت پریشان ہوئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہتر ان کو دنیا کے پردہ پر کوئی شخص نہیں معلوم ہوا تو لا محالہ تمام نے آپ سے بیعت کی۔[7]

بیعت خلافت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے وہی تقریر کرنی شروع کی بلکہ اس سے بہتر آپ نے فرمایا:

اما بعد جو کچھ تم نے اپنی اچھائی اور بھلائی کے متعلق ذکر کیا سو تم واقعی ایسے ہی ہو تمام عرب جانتا ہے کہ حکومت ہمیشہ قریش کی رہی ہے چونکہ قریش نسب میں اور سکونت کے لحاظ سے تمام عرب سے افضل و بہتر ہیں لہذا خلافت خاص قریش ہی کا حق ہو سکتا ہے میرا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالی عنہ کا ہاتھ پکڑ کر آپ نے فرمایا میں تم سے خوش ہوں کہ ان میں سے جس سے چاہو تم بیعت کر سکتے ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے جو کچھ کہا میں اس سے متفق تھا مگر جس وقت بیعت کے لیے آپ نے میرا نام پیش کیا تو مجھے برا معلوم ہوا واللہ اگر میری گردن مار دی جاتی تو مجھے ناگوار نا معلوم ہوتا بنسبت اس کے کہ میں اس قوم پر حکمران ہوتا کہ جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہوں۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم بھی قریش کے مددگار اور قابل عزت لوگ ہیں بہتر ہے کہ ایک شخص ہم میں سے اور ایک تم میں سے حاکم مقرر ہو اس پر بہت غوغا اٹھا اور شور مچا حتی کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں فساد نہ ہو جائے میں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ آپ ہاتھ لائیے آپ نے

ہاتھ بڑھایا اور میں نے سب سے پہلے بیعت کر لی پھر مہاجرین نے پھر انصار نے بھی بیعت کر لی کیسا نازک اور عجیب وقت تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی بیعت سے بہتر کوئی بھی کام نہیں تھا اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں مسلمانوں میں تفرقہ نہ پیدا ہو جائے اگر وہ اپنے بیعت علیحدہ کرتے تو پھر ہمیں بھی اسی شخص سے جس سے ہماری مرضی نہ ہوتی بیعت کرنی پڑتی ہے اور اگر ہم مخالفت کرتے تو فساد پڑتا۔[8]

خلافت صدیقی پر صحابہ کا اجماع

قَالَ سَعْدُ التَّفْتَازَانِي فِي شَرْحِ الْعَقَائِدِ النَّسَفِيَّةِ: إِنَّ الْخِلَافَةَ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ وَلا بِي بَكْرٍ ،ثُمَّ لِعُمَرَ، ثُمَّ لِعُثْمَانَ، ثُمَّ لِعَلِي ، وَذٰلِكَ لأَنَّ الصَّحَابَةَ قَدِ اجْتَمَعُوا يَوْمَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ وَاسْتَقَرَّ رَأْيُهُمْ بَعْدَ الْمُشَاوَرَةِ وَالْمُنَازَعَةِ عَلَى خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ عَلَى رُؤُوسِ الْأَشْهَادِ بَعْدَ تَوَقُّفٍ كَانَ مِنْهُ. وَلَوْ لَمْ تَكُنِ الْخِلَافَةُ حَقًّا لَّهُ لَمَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ وَلَنَازَعَهُ عَلِيٌّ كَمَا نَازَعَ مُعَاوِيَةَ وَلَا احْتَجَّ عَلَيْهِمْ لَوْ كَانَ فِي حَقِّهِ نَصٌّ كَمَا زَعَمَتِ الشِّيْعَةُ، وَكَيْفَ يُتَصَوَّرُ فِي حَقِّ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ الاتِّفَاقُ عَلَى الْبَاطِلِ وَتَرْكُ الْعَمَلِ بِالنَّصِّ الْوَارِدِ۔[9]

امام سعد الدین تفتازانی شرح العقائد النسفیۃ، میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت سیدنا ابو بکر صدیق، پھر سیدنا عمر، پھر سیدنا عثمان اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہم کی تھی، اور یہ اس لیے کہ صحابہ کرام وبعد از وصالِ نبوی ﷺ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہوئے، بحث و تکرار اور مشاورت کے بعد اُن کی رائے مجمع عام میں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر قرار پذیر ہوئی، حالانکہ اس معاملہ میں سیدنا ابو بکر کو کچھ توقف تھا۔ پس اگر اُن کی خلافت حق نہ ہوتی تو صحابہ کرام کا اس پر اتفاق نہ ہوتا اور سیدنا علی ان سے یوں لڑتے جس طرح حضرت امیر معاویہ سے لڑے تھے، اور اگر سیدنا علی ﷺ کے پاس کوئی نص ہوتی، جیسا کہ حضرات شیعہ کا گمان ہے تو آپ اُن پر ضرور حجت قائم فرماتے۔ بھلا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے حق میں کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے باطل پر اتفاق کر لیا ہو اور وارد شدہ نص کو ترک کر دیا ہو؟

خلافت صدیقی کے بارے امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے:

امام محی الدین رحماوی شرح فقہ الاکبر میں امام اعظم کا قول نقل کرتے ہیں:

وَاجْتَمَعَ الصَّحَابَةُ فِي ثَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ وَقَالَ الْأَنْصَارُ: مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ. ثُمَّ بَايَعَ عُمَرُ أَبَابَكْرٍ ،ثُمَّ بَايَعَ سَائِرُ الصَّحَابَةِ غَيْرَ عَلِيٍّ وَالزُّبَيْرِ وَالْمِقْدَادِ وَسَلْمَانَ وَأَبِي ذَرٍ. ثُمَّ اتَّفَقُوا عَلَى بَيْعَتِهِ بَعْدَ تَرَدُّدٍ كَانَ مِنْ سَيِّدِنَا عَلِي وَبَعْضٍ مِنَ الصَّحَابَةِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا سَيِّدَنَا عَلِيًّا فِي هَذَا الْأَمْرِ فَانْعَقَدَتْ إِمَامَةُ أَبِي بَكْرٍ بِاتِّفَاقٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَإِجْمَاعِهِمْ.[10]

"صحابہ کرام کا سقیفہ بنو ساعدہ میں اجتماع ہوا تو انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے ہوگا۔ پھر سیدنا عمر نے سیدنا ابو بکر کی بیعت کر لی، سوائے سیدنا علی، سیدنا زبیر، سیدنا مقداد، سیدنا سلمان فارسی اور سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہم کے سب صحابہ کرام نے اُن کی بیعت کی، پھر اس تردد کے ختم ہو جانے کے بعد جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا تھا اور جس پر بعض صحابہ کرام نے ان کی پیروی بھی کی تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت تمام صحابہ کرام کے اتفاق اور اجماع سے منعقد ہو گئی۔"

خلافت کی مدت:

آپ کی خلافت کی مدت دو سال سات ماہ رہی ہے۔[11]

عہد خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

تعارف

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزی بن رباح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔

امیر المومنین حضرت عمر ابو حفص القرشی العدي الفاروق رضی اللہ عنہ چھ نبوی میں جب آپ کی عمر شریف ستائیس سال کی تھی ایمان لائے۔

ذہبی اور امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے آپ اشراف قریش میں سے تھے اور جاہلیت کے زمانہ میں آپ کے ساتھ سفارت متعلق تھی یعنی جب قریش کی آپس میں لڑائی ہوتی تھی یا کسی دوسرے ملک سے جنگ ہوتی تھی تو قریش آپ کو ہی سفیر بنا کر بھیجا کرتے تھے یا کبھی اگر آپس میں فخر نسب کے اظہار کی ضرورت لاحق ہوتی تھی تو آپ ہی اس کام کے لیے روانہ کیے جاتے تھے۔ آپ چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں کے بعد مسلمان ہوئے۔ آپ کی وہ ہستی ہے کہ آپ کے اسلام لانے کے بعد ہی اسلام مکہ میں ظاہر ہوا اور مسلمان نہایت خوش ہوئے۔ آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔ آپ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں خلفاء راشدین میں آپ شمار ہوتے ہیں۔ آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہونے کا فخر بھی رکھتے ہیں آپ صحابہ میں بڑے عالم زاہد تھے۔[12]

علم وفضل:

علم وفضل کے باب میں آپ بڑے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اخلاق وعادات آپ کا نہایت اعلیٰ تھا۔ خوف خدا، حب رسول ﷺ اور اتباع سنت، زہد وقناعت، تواضع، تشدد وترحم،۔ عفو، رفاہ عام، خدا کی راہ دینا، مساوات کا خیال، غیرت، اور خانگی زندگی آپ کی بے مثال اور بہترین ایسی عادات وخصائل ہیں کہ جن کی کوئی مثال نہیں ملتی۔[13]

بیعت خلافت

جب یہ تحریر لکھی جاچکی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ لوگوں کو پڑھ کر سنا دو، پھر خود اسی شدت مرض کی حالت میں باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا:

میں نے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کو خلیفہ نہیں بنایا اور میں نے صرف اپنی ہی رائے سے عمر فاروق کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ صاحب الرائے لوگوں سے مشورہ کرلینے کے بعد خلیفہ بنایا ہے۔ پس کیا تم اس شخص کے خلیفہ ہونے پر رضامند ہو، جس کو میں نے تمہارے لیے انتخاب کیا ہے؟

یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کے انتخاب اور آپ کی رائے کو پسند کرتے ہیں، پھر صدیق اکبر نے فرمایا کہ تم کو چاہیے کہ عمر فاروق کا کہنا سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ سب نے اقرار کیا۔

اس کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:

"اے عمر! میں نے تم کو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا نائب بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ظاہر و باطن میں ڈرتے رہنا۔ اے عمر! اللہ تعالی کے بعض حقوق ہیں۔ جو رات سے متعلق ہیں، ان کو وہ دن میں قبول نہیں کرے گا۔ اسی طرح بعض حقوق دن سے متعلق ہیں۔ جن کو وہ رات میں قبول نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہیں فرماتا، جب تک کہ فرائض ادا نہ کیے جائیں۔ اے عمر! جن کے اعمال صالحہ قیامت میں وزنی ہوں گے، وہی فلاح پائیں گے! اور جن کے اعمال نیک کم ہوں گے، وہ مبتلائے مصیبت ہوں گے۔ اے عمر! کیا تم کو معلوم نہیں کہ ترغیب و ترہیب اور انذار و بشارت کی آیات قرآن مجید میں ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں تا کہ مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اس سے اپنی مغفرت طلب کرتا رہے۔ اے عمر! جب قرآن مجید میں اہل نار کا ذکر آئے تو دعا کرو کہ الٰہی! تو مجھے ان میں شامل نہ کرنا اور اور جب اہل جنت کا ذکر آئے تو دعا کرو کہ الٰہی! تو مجھے ان میں شامل کر۔ اے عمر! تم جب میری ان وصیتوں پر عمل کرو گے تو مجھے گویا اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔"[14]

خلافتِ فاروقی کی انفرادیت:-

نظام خلافت کی بہتری، احتساب کا قیام ملکی نظم و نسق، بیت المال کا قیام، بہترین تعمیرات مستعمرات، فوجی انتظامات، مذہبی خدمات اور متفرق انتظامات اور عدل وانصاف کی عام فراہمی وغیرہ لاتعداد ایسے کارنامے ہیں جن کو قلمبند کرنا آسان نہیں لہذا اسی پر اکتفا کرتے ہوئے ارتقاء خلافت کا مزید ادوار درج ذیل ہیں۔[15]

عہد خلافتِ عثمانی رضی اللہ عنہ

تعارف

عثمان بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مردین کعب بن لوئی بن غالب۔ آپ کی کنیت ابو عمرو ابو عبد اللہ تھی۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابو عمرو تھی۔ اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے تھے۔[16]

فضل و کمال:-

آپ کی اخلاق وعادات ارفع واعلیٰ تھیں۔ خوف خدا، حب رسول، احترام رسول ﷺ، اتباع سنت، حیا، زہد، تواضع، ایثار، فیاضی، اعزاء احباب کے ساتھ حسن سلوک، صبر و تحمل اور مذہبی زندگی میں آپ بہت ہی بلند درجہ رکھتے تھے۔[17]

بیعت خلافت

خلیفہ کا تقرر:

آپ کے دفن سے فراغت پا کر لوگ انتخاب خلیفہ ے لئے جمع ہوئے۔ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ مشورہ کیلئے اپنی طرف سے اول تین شخص منتخب کر لینے چاہئیں چنانچہ حضرت زبیر نے اپنی طرف سے حضرت علی المرتضی کو

اور حضرت سعد نے اپنی طرف سے عبد الرحمن کو اور حضرت طلحہ نے حضرت عثمان کو منتخب کیا اور تینوں حضرات علیحدہ چلے گئے وہاں پہنچ کر حضرت عبد الرحمن بن عوف نے فرمایا کہ میں تو خلیفہ ہونا نہیں چاہتا لہذا جو تم لوگوں میں سے خلافت سے بری ہو، وہ مجھ سے کہہ دے۔ امر خلافت اس کے سپرد کیا جائے گا۔ اور جو کوئی بھی ہو یہ ضروری ہے کہ افضل امت ہو اور اصلاح امت کی حرص رکھتا ہو۔ یہ سن کر دونوں حضرات خاموش رہے اور پھر حضرت عبد الرحمن بن عوف نے فرمایا کہ اچھا یہ انتخاب کا کام تم میرے ہی سپرد کر دو تا کہ میں افضل آدمی کو منتخب کر لوں۔ دونوں نے کہا کہ بہت اچھا آپ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو علیحدہ لے گئے اور ان سے کہا کہ آپ پہلے اسلام لائے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی قریبی عزیز داری بھی ہے۔ اس لیے آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں اگر میں آپ کو خلیفہ مقرر کر دوں تو آپ عدل کریں اور اگر میں آپ پر کسی دوسرے کو خلیفہ بنادوں تو آپ اس کی اطاعت کریں۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ علیحدہ لے گئے اور آپ سے بھی یہی اقرار لیا، جب آپ دونوں سے پختہ عہد لے چکے سے تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور آپ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔[18]

امام تفتازانی کی رائے:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو اُنہوں نے خلافت کا معاملہ چھ افراد کی شوری پر چھوڑ دیا۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمن بن عفان، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص۔ پھر پانچ افراد نے اپنا حق حضرت عبد الرحمن بن عوف کے سپرد کر دیا اور اُن کے فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ اُنہوں نے حضرت عثمان کو چنا اور صحابہ کرام کی مجلس میں اُن کی بیعت کر لی، پھر دوسرے صحابہ نے بھی اُن کی بیعت کر لی اور اُن کے اوامر و نواہی کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا اور اُن کے ساتھ جمعات اور عیدین کی نمازیں ادا کیں، تو یہ عملی اجماع تھا۔[19]

خلافت عثمانی کی انفرادیت:۔

غزوہ بدر، غزوہ احد غزوہ تبوک اور دیگر کئی غزوات و مہمات میں آپ نے شمولیت اختیار کی۔ فتح طرابلس، فتح افریقہ، اسپین، فتح قبرص، فتح طبرستان، اور اس کے علاوہ دیگر کئی فتوحات آپ کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے نظام خلافت کو بہتر انداز میں ارتقاء دیا۔ عمال کی مجلس شوری کا قیام عمل میں دلوایا صوبوں کی تقسیمات کا کام شروع کروایا، اختیارات کی تقسیم کا کام شروع کروایا، حکام کی نگرانی ملکی نظم ونسق کی بہتری، بیت المال کی ترقی، بہترین تعمیرات و آرائش، مسجد نبوی کی تعمیر فوجی انتظام، امارت بحریہ اور مذہبی خدمات کچھ ایسی خصوصیات اور کارنامے ہیں جو بہت ہی اعلیٰ ہیں۔[20]

عہدِ خلافت علی رضی اللہ عنہ

تعارف

علی نام، ابو الحسن اور ابو تراب کنیت، حیدر لقب علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لئے حضرت علی نجیب الطرفین ہاشمی اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔[21]

فضائل وکمالات

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اسلامی بھائی چارہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے خاوند اور سب سے پہلے نیک لوگوں میں سے تھے۔ بہت سے صحابہ اس پر متفق ہیں کہ اول آپ ہی اسلام لائے اور بعض نے اس پر اجماع بھی لکھا ہے۔[22]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کیلئے لوگوں کا اصرار:

اتنے میں لوگ دوڑتے ہوئے آپ کے گھر پر آئے اور کہا کہ ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں آپ ہاتھ پھیلائے کیونکہ کسی خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔ آپ نے فرمایا: خلیفہ کا انتخاب اہل بدر کر سکتے ہیں۔ جس سے اہل بدر راضی ہیں وہی خلیفہ ہے۔ چنانچہ تمام اہل بدر آئے اور یہ کہا کہ ہم آپ سے زیادہ خلافت کا مستحق کسی دوسرے کو نہیں دیکھتے آپ ہاتھ لائے تاکہ ہم بیعت کریں چنانچہ انہوں نے بیعت کرلی۔[23]

امام محی الدین رحماوی کی رائے:

اسی طریقہ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین یا پانچ دن بعد حاضرین صحابہ مثلاً سیدنا زبیر بن العوام، طلحہ بن عبید اللہ، سعد بن ابی وقاص، ابن عمر اور ابن عباس ی و دیگر کی بیعت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی، اور یہ بیعت سیدنا علی کی طرف سے انکار کے باوجود ان حضرات کے التماس اور پختہ عہد کے بعد ہوئی، سیدنا علی ﷺ نے فرمایا: مجھے چھوڑ دو اور میرے علاوہ کوئی اور شخص تلاش کرلو لیکن اہل حل وعقد اُن ہی کی بیعت پر متفق ہوگئے۔[24]

خلافت علی نص سے نہیں، انتخاب سے قائم ہوئی:

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت نہ احادیث ثابت ہے اور نہ ہی کوئی نہ نص قرآنی ہے۔ یہ خلافت صرف انتخاب صحابہ یعنی ان کی بیعت سے ثابت ہے اس کا ثبوت خود حضرت مولا علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا ہے:

امام جزری روایت کرتے ہیں: امام حسن بصری مجھے بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی المرتضیٰ بصرہ تشریف لائے تو ابن الکواء اور قیس بن عبادہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا: آپ ہمیں اپنے اس سفر کے متعلق بتائیں جس میں لوگ ایک دوسرے کو مار رہے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کے حق میں کوئی عہد ہے؟ تو بیان فرمایئے! آپ (ہمارے لئے) ثقہ معتمد اور امین ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس سلسلے میں میرے پاس رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کوئی عہد نہیں ہے، اللہ کی قسم! میں ان کی تصدیق کرنے میں اول تھا تو اُن پر جھوٹ باندھنے میں اول نہیں بنوں گا، اگر میرے پاس اُن کی جانب سے کوئی عہد نامہ ہوتا تو میں بنو تمیم بن مرہ کی برادری کے فرد (مراد حضرت ابو بکر صدیق) اور عمر بن خطاب کو اُن کے منبر پر نہ بیٹھنے دیتا، اور اپنی طاقت سے اُن سے لڑتا، اور اگر کچھ اور نہ پاتا تو اپنی اس چادر سے ہی لڑتا، لیکن رسول اللہ جو نہ شہید کیے گئے اور نہ ہی آپ ﷺ کا اچانک وصال

ہوا، آپ ﷺ کئی شب وروز علالت کے عالم میں رہے، مؤذن آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر نماز کی اطلاع کرتا تو آپ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حکم فرماتے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اور آپ ﷺ میرے مقام کو سمجھتے تھے، اور آپ ﷺ کی بعض ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس حکم کو پھیر دیا جائے مگر حضور ﷺ نے انکار فرمایا اور خفا ہو کر فرمایا: تم یوسف ﷺ کی عورتوں کی طرح ہو، ابو بکر کو کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو ہم نے اپنے معاملات میں غور کیا، سو اس شخص کو ہم نے اپنی دنیا کے لیے منتخب کر لیا جس کو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لیے منتخب فرمایا تھا، اور غور کیا کہ نماز اسلام کا طرہ اور اس کی بنیاد ہے، لہذا ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور وہ اس کے اہل تھے۔[25]

شیخ الاسلام ڈاکٹر طاہر القادری اس کے وضاحت میں لکھتے ہیں:

یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی (یعنی حضرت علی ﷺ کی) خلافت اجماع، اجتہاد اور استدلال سے قائم ہوئی، نص سے قائم نہیں ہوئی۔ اگر کوئی شخص کہے: ممکن ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی شخص کے لیے تصریح فرمائی ہو لیکن اُس نے اُس تصریح کو بعض موانع کی وجہ سے ظاہر نہ کیا ہو۔ یا تو اس لیے کہ وہ اس کے اظہار کی ضرورت سے قبل ہی وفات پا چکا ہو، یا اس لیے کہ اُس نے اُس نص کو ظاہر کیا لیکن اس کی بات کو قبول نہ کیا گیا ہو، یا اُس نے عدم قبولیت کے خدشہ کے پیش نظر اظہار ہی نہ کیا ہو، تو ایسے شخص کی بات لائق توجہ ہی نہیں۔ (میرے خیال میں اس اعتراض وجواب کو نقل کرنا چنداں مفید نہیں)۔[26]

عہدِ خلافتِ حسن رضی اللہ عنہ

تعارف

حسن بن علی ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ، ابو محمد، سبط رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پھول۔

ابن سعد نے عمران بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ حسن اور حسین رضی اللہ تعالی عنہما دونوں نام اہل جنت کے نام ہیں یہ نام ایام جہلیت میں کسی شخص نے نہیں رکھے۔ حضرت امام حسن رمضان المبارک تین ہجری میں پیدا ہوئے آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت احادیث روایت کی ہیں آپ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر تابعین نے احادیث روایت کی ہیں آپ صورت میں نبی کریم کے بہت زیادہ مشابہ تھے آپ کا نام حضور نبی کریم وسلم نے ہی حسن رکھا تھا۔ ساتویں روز آپ کا عقیقہ کر کے بال اتروائے تھے اور یہ حکم فرمایا تھا کہ بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے صدقہ کر دیا جائے۔ آپ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کملی کے پانچویں شخص ہیں۔

فضائل ومناقب

حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر رونق افروز تھے اور آپ کے پہلو میں حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالی عنہ بیٹھے ہوئے تھے کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف اور فرماتے جاتے تھے کہ یہ میرا بیٹا سید ہے اور اللہ تعالی مسلمانوں کے دو گروہوں میں اس کے سبب سے صلح کرائے

گا۔[27]

بیعت خلافت

حضرت علی کی وفات کے وقت لوگوں نے پوچھا کہ ہم آپ کے صاحبزادے حضرت حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں؟ آپ نے جواب میں کہا: میں نہ تم کو اس کا حکم دیتا ہوں نہ منع کرتا ہوں، تم لوگ خود اچھی طرح دیکھ سکتے ہو۔[28]

ایک شخص نے عین اس وقت جب کہ آپ اپنے صاحبزادوں کو آخری وصیت کر رہے تھے عرض کیا کہ امیر المومنین آپ اپنا ولی عہد کیوں نہیں مقرر کر دیتے۔ جواب میں فرمایا: میں مسلمانوں کو اسی حالت میں چھوڑوں گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے چھوڑا تھا۔[29]

آپ خلیفہ راشد ہیں:

امام جلال الدین سیوطی کی رائے:

آپ نص یعنی حدیث حضور نبی کریم صلی اللہ کے موافق آخری خلیفہ ہیں۔ خلفاء راشدین کے بعد خلافت کے نام سے ملوکیت کا دور شروع ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے؟ تیس سال تک خلافت رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو گی

اس حدیث کے بارے میں جلال الدین السیوطی نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے تمام اصحاب سنن نے، یہ حدیث لکھی ہے اور ابن حبان وغیرہ اس کو صحیح کہتے ہیں جمہور علماء کا بیان ہے کہ چاروں خلفاء اور امام حسن کے مانے تک کی مدت یہی تیس سال ہے۔[30]

پاپائیت کا تعارف

چیمبر انگلش ڈکشنری کے مطابق:

"That constitution of a state in which God, or a god is regarded as the sole role sovereign, and the laws of the realm as divine commands rather than human ordinance. The priest hood necessarily becoming the officers of the invisible ruler: The state thus governed."[31]

دوسری جگہ لکھا ہے۔

"Theocracy a mixture of religions the identification or equating of one God with another profound contemplation-[32]*-*

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق:

"A system of government by priest or a priestly class in which the laws of the state are believed to be the laws of God"[33]

بقول آگسٹس ٹرائمفس:

ٹرائمفس کے مطابق پوپ اس زمین پر خدا کا نائب تھا اور براہ راست خدا سے تمام اختیارات حاصل کرتا تھا۔ وقار و جاہ کے

اعتبار سے پوپ کو تمام ارضی قوتوں سے زیادہ عزہ وجاہ حاصل ہے۔ اس کے اختیارات لا محدود ہیں۔ وہ تمام مذہبی وروحانی امور میں رہنما اور مطلق اختیارات کا حامل ہے۔ شاہ یا شہنشاہ کے دنیاداری کے قانون ہر حالت میں پوپ کی توثیق کے محتاج ہیں۔ پوپ کو دنیا دار بادشاہوں کو سزا دینے، معزول کرنے، تخت پر بٹھانے اور ان سے پوچھ گچھ کرنے کے مکمل اختیارات حاصل ہیں۔ پوپ کے اختیارات نہ صرف روحانی ہیں بلکہ دنیاوی امور میں بھی پوپ حرف آخر ہے۔ دنیادار بادشاہ ہر ریاست کی طرف سے بلاشبہ کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ مگر بنیادی طور پر یہ اسے پوپ تفویض کرتا ہے اور اس کی حیثیت محض کلیساء کے ایک وزیر اور محافظ جیسی ہے۔ پوپ پوری دنیا کا دنیادار آقا بھی ہے۔ تمام مخلوق یسوع مسیح کی بھیڑوں کی طرح ہے۔ تمام دنیادار بادشاہ پوپ کے ملازم اور نوکر چاکر ہیں۔ پوپ کو سلطنت کا آئین تک منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ نیز ہر وہ شخص جو کلیساء سے باہر ہے (کلیسا کا مطیع نہیں یا غیر عیسائی) وہ پوپ کے انتخاب میں حصہ نہیں لے سکتا۔ بادشاہ کو پوپ کے انتخاب میں کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ پوپ ہر قانون کا ترجمان بھی ہے اور اس پر عمل بھی کراتا ہے۔ خواہ یہ قوانین ابدی ہوں یا فطری، الوہی ہوں یا انسانی، پوپ ہی تمام مثبت قوانین وضع کر سکتا ہے۔ پوپ نہ صرف آخری مختار کل ہے بلکہ اپیل کے لئے آخری عدالت بھی وہی ہے۔ اگر پوپ کوئی فرمان جاری کر دیتا ہے تو اس کے خلاف اپیل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔[34]

پاپائیت کا آغاز

پوپ لاطینی زبان کے لفظ "پاپا" سے ماخوذ ہے۔ جس کا ماخذ یونانی لفظ "پاپا" ہے جو کہ بچے اپنے باپ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ تیسری صدی عیسوی میں عیسائی ادب میں یہی لفظ "بشپ" کے لئے بھی استعمال ہونا شروع ہوا جو کہ ان کی مذہبی حیثیت کو ظاہر کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ تیسری صدی سے پانچویں صدی عیسوی تک یہی لفظ بشپ کے لیے مستعمل رہا مگر چھٹی صدی عیسوی میں اس نام کو روم کے بشپ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔[35]

سینٹ پیٹر (Saint Peter) اولین پوپ

پطرس یا پیٹر کو "حضرت عیسیٰ" کے حواریوں میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ وہ ایک فلسطینی یہودی تھا اور پیشہ کے لحاظ سے ایک مچھیرا تھا پیٹر کا اصلی نام سائمن (Syman) تھا لیکن حضرت عیسیٰ" نے اس کا سیپاس (Cepas) رکھا جس کے معنی چٹان کے ہیں پیٹر یونانی زبان میں سیپاس کا ہی ترجمہ ہے۔

پیٹر کا سیپاس نام رکھنے کی وجہ تسمیہ حضرت عیسیٰ کے وہ مشہور الفاظ ہیں جنہیں متی (میتھوز Matthews) نے نقل کیا ہے: "تو پطرس ہے اور اس چٹان پر میں اپنی شریعت کی تعمیر کروں گا۔ آسمانی بادشاہت کی چابیاں تیرے حوالے کروں گا اور جس کو تو زمین پر باندھے گا وہ آسمان پر بھی باندھا جائے گا۔" حضرت عیسیٰ کا یہ جملہ رومن کیتھولک فرقے کے لوگوں کی قوت کا اظہار ہے تصلیب کے بعد حضرت عیسیٰ نے پطرس پر خصوصی ظہور فرمایا اور بنی اسرائیل کی بھیڑ بکریوں (عوام) کو اس کی نگرانی میں دے دیا۔[36]

پاپائیت کا تاریخی پسِ منظر

پاپائیت قرونِ وسطی میں

چھٹی صدی سے پندرھویں صدی تک کا دور پاپائیت کے حوالے سے اہم دور تصور ہو تا ہے چونکہ اس دوران بہت سے قابل ذکر واقعات رونما ہوئے اس دوران بہت سے پوپز (Popes) نے پاپائیت میں بادشاہت کے عمل دخل کی مخالفت کی اور چرچ اور پاپائیت کو بادشاہی سلطنت سے علیحدہ کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس کا نقطہ انتہا بارھویں اور ترھویں صدی میں نظر آتا ہے۔

تحریک اصلاح

اس تحریک کا بانی رہنما لیوIX(1049-1054) سمجھا جاتا ہے اُس نے اٹلی، فرانس اور جرمنی کے سفر اختیار کیے جہاں اُس نے کئی مذہبی مسائل کو حل کرنے کی کوششیں کیں اسطرح دور پاپائیت کا صرف چھ مہینے کا مختصر عرصہ روم میں گزرا۔ نیکولس II (1059-1061) نے اس سلسلہ میں مزید اصلاحات نافذ کیں جس میں پوپ کا انتخاب بھی شامل ہے اُس نے 1059 کے پوپ کے انتخاب میں صرف کارڈینل بشپ کو انتخاب کا حق دیا جس کے دوہرے مقصد حاصل ہوئے ایک تو پُرامن انتخابات اور دوسرے بادشاہت کی بے جا مداخلت میں کمی۔ نیکولس نے پاپائیت میں براہ راست جاگیر دارانہ نظام کو متعارف کروایا اور اس کے بعد پاپائیت میں جاگیروں کو شامل کیا جانے لگا جو کہ جاگیر داروں نے فتح کی ہوئی تھیں۔

اصلاحی پوپ میں گریگوری VII 1073-1085 خصوصی شہرت کے حامل ہیں جو Hildebrand کے نام سے بھی مشہور ہوئے اُس کا اصلاحی نظام تین باتوں پر مذکور تھا ایک پاپائیت کی عزت کو بحال کرنا اور پچھلی دو صدیوں کے بُرے حالات سے باہر نکلنا ۔ دوسرا پاپائیت کو بددیانتی کے عناصر سے پاک کرنا اور تیسرا پاپائیت کو جاگیر داروں، بادشاہوں اور شہزادوں کے تسلط سے آزاد کرنا تاکہ بشپ کے انتخاب میں مداخلت کو روکا جاسکے۔ ان خرابیوں کو جڑوں سے ختم کرنے کے لیے اُس کا اختلاف بادشاہ ہنری IV کے ساتھ بھی ہوا جس نے اُس کے ساتھ قطع تعلق بھی کر لیا(جو کہ بعد میں 1077 میں ختم ہوا)

اگرچہ گریگوری کی اصلاحات مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوئی گر پاپائیت کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں تا ہم پاپائیت کو راہبری کی ایک نئی جہد حاصل ہوئی اور پوپ بلاشرکت غیرے کلیسا کا سربراہ سمجھا جانے لگا اور یورپ کا وسطی تاریخی دور متحد و قوم کی طرح نظر آنے لگا۔

پاپائیت کا عروج

بارہویں اور ترہویں صدی عیسوی میں پاپائیت اپنے عروج پر پہنچی (1274 اور 1123) کے درمیان چھ جنرل کونسلز نے تنظیمی اور اصلاحی اصول وضع کیے جس میں سے پوپ کو کلیسائی نظام میں متبرک ترین مقام حاصل ہوا۔ Innocent III 1198-1216) تمام (Popes) میں سے واحد پوپ ہیں جن کے دور میں پاپائیت عروج پر تھی اور مذہبی، معاشرتی، سیاسی طور پر عالمی طاقت رکھتی تھی۔ 1209 میں Innocent III نے پہلی قانونی دستاویز طبع کی اور سلطنت بلغاریہ، پرتگال اور انگلستان کو پاپائیت کے زیر نگیں کیا۔

Ill Honorius (1216-1227) نے پاپائیت کو بحیثیت انتظامی اور معاشی طور پر مرکزیت عطا کی اور پاپائی حاکمیت کو غیر عیسائی معاشرت تک وسیع کیا۔

IV Innocent (1243 تا 1254) اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ تمام مخلوق پوپ کی رعایا ہے اور مسیح صرف کلیسا کے افراد تک محدود نہیں ہیں۔

پوپ کے انتخاب کے طریقہ کار میں دو قابل ذکر تبدیلیاں کی گئی۔ 1979ء میں تیسری لیٹرن کونسل کے اجلاس میں الیگزینڈر III (1159-1181) نے حکم دیا کہ تمام کارڈنیل ووٹ کا حق رکھتے ہیں اور اس کے لیے دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہے۔ 1274ء میں لیون کی دوسری کونسل کے اجلاس میں گریگوری X (1271-1276) نے مقام انتخاب کیا اور یہ ضروری کیا گیا کہ تمام ووٹ دہندگان کارڈینلز پوپ کے محل میں جمع ہو گئے اور الیکشن کے اختتام تک تالہ بندی میں رہیں گئے۔

پاپائیت کا زوال:

پاپائیت کے زوال کا آغاز بونی فیس V|| (1294-1303) سے شروع ہوتا ہے پاپائیت کے زوال کے کئی سبب ہیں مثلاً ٹیکسوں کی بھر مار، عہدوں کا غلط استعمال، رومی حکومتی عناصر کی بددیانتی اور سب سے بڑھ کر کلیسائی ریاست سے بالاتر پوپ کا محب وطن ہوتا۔ پاپائی راہبری نے عیسائیوں کی دولت مشترکہ کی بنیاد کی ناکامی بھی زوال کا سبب بنی۔[37]

چوہدری غلام رسول چیمہ لکھتے ہیں:

590ء میں گریکوری اول پوپ بنا تھا۔ اس کے وقت سے لے کر شارلمین 800ء کا تاریک زمانہ کہلاتا ہے۔

اس دور میں عیسائیت کی تاریخ میں سیاسی اور علمی زوال شروع ہو گیا تھا اور عیسائیوں میں انتشار پھوٹ چکا تھا اور اسلام عروج پا رہا تھا۔ اس وجہ سے مشرقی علاقوں میں عیسائیت کے اقتدار کی عمارت پیوند خاک ہو رہی تھی۔

مغربی عیسائیوں نے یورپ میں تبلیغ شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں چار صدیوں تک مسلسل تبلیغی کاوشوں کے بعد پورا یورپ عیسائیت کی آغوش میں آ گیا۔[38]

مشرق مغرب کی تقسیم

عظیم نفاق

نفاق عظیم تاریخ عیسائیت کی ایک اصطلاح ہے، اس سے مراد مشرق اور مغرب کے کلیساؤں کا وہ زبردست اختلاف ہے جس کی بناء پر مشرقی کلیسا ہمیشہ کے لئے رومن کیتھولک چرچ سے جدا ہو گیا اور اس نے اپنا نام بدل کر "دی ہولی آرتھوڈوکس چرچ" رکھ لیا۔[39]

ابتدائی دور نفاق

عظیم نفاق مشرق اور مغرب کے درمیان پہلا نفاق نہیں تھا بلکہ درحقیقت اس نفاق کی جڑیں دو صدیوں پرانی ہیں۔ 398-343 تک چرچ دو حصوں میں تقسیم تھا ایک کو مشرق کی طرف سے اصولی معاونت مہیا تھی جس کو مغرب میں پوپ کی طرف سے

مسترد کیا جاتا رہا۔ 404 میں ایک نیا تضاد ابھرا جب بازنطینی بادشاہ Aradius نے رومی سلطنت پر سرپرستی حاصل کرنے والے قسطنطنیہ کے پادری جون Chrysoston کو معطل کر دیا پوپ نے فوراً ہی تمام عیسائی پادریوں سے علیحدگی کر لی۔ جنہوں نے Chrysoston کی معطلی کو قبول کر لیا تھا۔ 415ء یہ تقسیم مزید واضح ہوئی جب عیسائی پادریوں نے قانونی حیثیت کو قبول کر لیا۔

482ء میں ایک اور تنازعہ پیدا ہوا جب بازنطینی بادشاہ زینو نے ایک فرمان جاری کیا جس کو "Henotikon" کہا جاتا ہے جس کے مطابق بہت سارے چرچوں کے اس اختلاف کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کے مطابق یسوع مسیح کی دو حیثیت ہیں یعنی ایک انسانی اور دوسری روحانی۔ جب کے ایک گروہ یعنی Monophysites" کے مطابق یسوع مسیح کی وصیت صرف روحانی ہے۔ اس اصول کی مخالفت سب سے پہلے پوپ فیلکس نے کی۔ 484 میں پوپ نے قسطنطنیہ کے پادری Acacius" سے قطع تعلق اختیار کی جس میں زینو سے اس حکم نامہ جاری کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ نفاق 519 میں تیس سالوں بعد ختم ہوا جب بازنطینی بادشاہ جسٹن I نے "Acacius کے ساتھ لاتعلق کو تسلیم کر لیا۔ تاہم سکندریہ اور یروشلم کے پادریوں نے دوسرا گروہ قبول کر لیا اور کونسل کو مسترد کر دیا۔ اگرچہ بظاہر چرچ محدود ہوتا نظر آتا ہے، درحقیقت وہ منتشر ہوا۔

تحریک اصلاح اور پاپائیت

پاپائے اعظم کے تحت مقدس سلطنت روما کا قیام دراصل مذہب وسیاست کو یکجا کرنے کی کوشش تھی لیکن بدقسمتی تھی کہ پوپ نے جو اقتدار قائم کیا اس سے بادشاہت کا خاتمہ نہ ہوسکا۔ بلکہ اس نے بادشاہت کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کو ہی کافی سمجھا اور اس پر اپنا تسلط رکھنا ضروری خیال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت کے لحاظ سے دوبرابر سیاسی ادارے قائم ہو گئے جو حصول اقتدار کے لیے باہم متصادم رہنے لگے جس کا پلہ بھاری ہوتا وہ چھا جاتا۔ آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں سترھویں صدی عیسوی تک یورپ کی تاریخ پاپائیت و بادشاہت کے تصادم کی ایک مسلسل داستان ہے۔ اس تصادم میں پاپائیت نے اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے لئے برہمنیت کے تصور سے فائدہ اٹھایا۔ مذہبی تعلیم اور مقدس کتابوں کی تشریح کا حق عوام کی بجائے ایک مخصوص و محدود طبقے کے سپر کر دیا گیا اور کلرجی یا پادری کے نام سے یا پاپائیت ایک نئے روپ میں جلوہ گر ہو گئی اور وہ شخص کلرجی بن جانے کا حقدار گردانا گیا جو پوپ کی منظور شدہ مذہبی تعلیم کی تکمیل کرے باقی لوگوں کو دینی معاملات میں دخل انداز ہونے کا کوئی حق نہ تھا پوپ کی عوام پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے کلرجی" کے نام سے ایک مستقل فوج تیار کر لی اور عوام کو یہ سمجھایا گیا کہ خدا تک بندے کی رسائی صرف اسی فوج سے ہو سکتی ہے۔

ابتداء میں کلرجی "کا یہ طبقہ اپنی اہمیت کو قائم رکھنے کے لئے اپنے اعمال و کردار میں بہت محتاط تھا لیکن جب اس کی عظمت کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ گیا تو رفتہ رفتہ عیش پسندی کی طرف میلان بڑھنے لگا آخر وہ وقت آیا کہ پوپ اور بادشاہ میں کوئی فرق باقی نہ رہا کلیسا کے بڑھتے ہوئے مظالم اور مذہبی طبقہ کی اس عیش پسندی نے عوام میں کچھ ایسے لوگ پیدا کر دیئے جو کلیسا کے اقتدار کو ختم کر دینے کے درپے تھے۔ اصلاح مذہب میں ان لوگوں کے ناموں میں سرفہرست مارٹن لوتھر ہے۔[40]

پروٹسٹنٹ

چونکہ یہ اصلاحی تحریک پاپائیت کے خلاف ایک احتجاج تھا جسے انگریزی میں پروٹسٹ کہتے ہیں اس لیے جو لوگ اس تحریک کے حامی تھے انہیں پروٹسٹنٹ کہا جانے لگا۔[41]

پاپائیت دور جدید میں

دور جدید میں پاپائیت کا آغاز انقلاب فرانس سے ہوتا ہے اس دور کے تمام (Popes) کو نئے دور کے تقاضوں کا سامنا کرنا پڑا تاکہ وہ اپنی روحانی حاکمیت کو واپس حاصل کر سکیں۔

فرانسیسی انقلاب 1789ء میں شروع ہوا اور جس کے بعد نپولین نے یورپ میں نئی ساسی مہم کا آغاز کیا جس نے رومن کیتھولک چرچ کو بُری طرح متاثر کیا۔ فرانس کی نئی انقلابی حکومت نے تمام حربے استعمال کیے جس سے غیر عیسائیت، غیر مذہبیت اور غیر کلیسیت کو فروغ حاصل ہوا۔ پوپ پائیس VI(1799-1775) کو انقلاب کے ساتھ تھوڑی بہت ہمدردی تھی مگر وہ چرچ کو انقلاب کے برے اثرات سے بچانے میں مکمل طور پر کامیاب نہ ہو سکا اور مذہب کے خلاف شدید خطرات موجود رہے اُس وقت ایسا لگتا تھا کہ پاپائیت بذات خود تباہ ہو جائے گی۔ نپولین نے پوپ پائس کو قیدی بنالیا اور وہ جلا وطنی کے دوران پیرس جاتے ہوئے انتقال کر گئے۔ نپولین کے ظلم کے خلاف مذمت پوپ پائس VII (1823-1800) کے انتخاب تک جاری رہی۔ نپولین کے ساتھ 1801ء میں معاہدے کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک صدی تک فرانس اور چرچ کے باہمی تعلقات استوار رہے اور پائس یہ چاہتے تھے کہ مختلف رعایت کے ساتھ امن بحال رہے۔ 1809ء میں نپولین نے روم پر قبضہ کر لیا اور پاپائی ریاست پر بھی اور 1814ء تک پوپ کو حراست میں لیا اور قیدی بنا کر رکھا۔ کلیسیت کا دوبارہ آغاز نپولین کی شکست کے ساتھ ہوا اور ویانا کی کانگریس (1815-1814) نے پاپائی ریاست کو چرچ کو واپس کر دیا اور 1814ء میں پوپ پائس نے عیسائی معاشرے کی دوبارہ بنیاد رکھی۔ فرانس میں بادشاہت کے اختتام پر یورپ میں اس کے اثرات کمزور ہونے لگے اور 19 صدی کے آغاز کے ساتھ پاپائیت کی تحریک زور پکڑنے لگی جن کے نتیجے میں پاپائیت کی اولیت اور چرچ کی مرکزیت بحال ہوئی۔ گریگوری (1846-1831) نے تمام انقلابی تحریک کی مخالفت کی اور پاپائیت کی اولیت اور چرچ کی آزادی کے لیے بہت محنت کیں۔ لہٰذا گریگوری کو ایک مشنری کیتھولک پوپ کی صورت میں عظیم درجہ حاصل ہے۔ پائیس (1878-1846ء کا عرصہ جو کہ 32 سال پر محیط ہے تاریخ کا سب سے لمبا اور اہم دور ہے۔

پوپ پائیس کے مطابق قومیت، معاشرت اور ایمان کو بری طرح نقصان پہنچایا ہے اور پاپائی ریاست ہی قانونی طور پر ان کے مسائل کو حل کر سکتی ہے اگرچہ ان کے کئی خیالات نے چرچ کو باقی دنیا سے علیحدہ کر دیا گر رومن کیتھولک فرقے میں ان کی مقبولیت بہت زیادہ ہوئی اور جو کہ روحانی تشخص کا باعث بنی۔ اُن کے دور کا سب سے بڑا نقصان 1870ء میں پاپائی ریاست کا اختتام ہے جو کہ گذشتہ کئی صدیوں سے روحانی اور مذہبی استحکام کا مقام تھی۔ اس کے بعد پوپ اگلے ساٹھ سال تک ویٹیکن کے قیدی بن کر رہ گئے۔

مندرجہ بالا بیان سے حاصل بحث یہ ہے کہ پاپائیت کی تاریخ ایک پیچیدہ اور پر پیچ تاریخ ہے جو کہ کم و بیش دو ہزار سالوں پر محیط ہے تاریخ کے مختلف دور میں اس میں عروج وزوال، کامیابی اور ناکامی، بیرونی اور اندرونی خلفشار اور بنیادی معاشرتی تبدیلیاں نظر آتی ہیں آج کے غیر یقینی اور غیر مستحکم دور ٹیکنالوجی میں پاپائیت ہی واحد ادارہ سمجھا کہ انسانیت میں روحانی تبدیلیاں لا سکتا ہے۔[42]

نتیجہ(Conclusion)

خلافت اور پاپائیت دونوں اپنے اپنے مذاہب میں مذہبی قیادت کے اہم ادارے رہے ہیں، لیکن ان کے تاریخی ارتقاء، اختیارات اور عملی کردار میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ خلافت کا ادارہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کی دینی اور سیاسی قیادت کے تسلسل کے لیے وجود میں آیا، جبکہ پاپائیت کا ادارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کلیسائی نظم و نسق اور مذہبی رہنمائی کے ارتقائی عمل کا نتیجہ تھا۔ تاریخی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت نے ابتدائی اسلامی دور میں مذہبی اور سیاسی قیادت کو ایک ہی مرکز میں جمع کیا، جبکہ پاپائیت نے ابتدا میں مذہبی قیادت کے طور پر کام کیا اور بعد میں مختلف تاریخی، سماجی اور سیاسی عوامل کے تحت وسیع سیاسی اثر ورسوخ حاصل کیا۔ اسی طرح خلیفہ اور پوپ کے انتخاب، اختیارات اور ذمہ داریوں میں بھی بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں جو دونوں مذاہب کی فکری اور مذہبی روایات کی عکاسی کرتے ہیں۔ مزید بر آں، خلافت اور پاپائیت دونوں نے اپنے اپنے ادوار میں مذہبی شناخت، سیاسی استحکام، علمی ترقی اور سماجی تنظیم میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان اداروں کی نوعیت اور اثرات میں تبدیلیاں رونما ہوئیں، جنہوں نے جدید مذہبی اور سیاسی مباحث پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ مختصراً، خلافت اور پاپائیت کا تقابلی و تجزیاتی مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگرچہ دونوں ادارے مذہبی قیادت کے نمائندہ ہیں، لیکن ان کی تاریخی تشکیل، نظریاتی بنیادیں اور عملی کردار ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان اختلافات اور مماثلتوں کا فہم نہ صرف اسلامی اور عیسائی سیاسی فکر کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ مذہب اور سیاست کے باہمی تعلق کے مطالعے میں بھی اہم رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

[1] امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی، تاریخ الخلفاء، مترجم الاستاذ طارق اسماعیل(لاہور: زاویہ پبلشرز، 2014)ص:34

[2] امام ابو معین عمر بن محمد نسفی، تبصرہ الادلہ فی اصول الدین (انقرہ، ترکی: رئاسۃ الشؤن الدینیہ، 1993ء) ج،2، ص:1129

[3] امام احمد بن حنبل، المسند، 1/377، الرقم:3570

[4] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:65)

[5] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:65

[6] امام احمد بن حنبل، فضائل الصحابہ، 1/132، ذالرقم:102)

[7] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:71

[8] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:72۔73

[9] امام تفتازانی، شرح العقائد، ص:150

[10] امام محی الدین رحماوی، شرح الفقہ الاکبر، ص:304

[11] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:93

[12] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص:117)

[13] غلام رسول قاسمی قادری، خلفائے راشدین، رحمتہ اللعالمین پبلی کیشنز، سرگودھا، ص:63

[14] اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخ الاسلام، (لاہور، دار الاندلس) ج:1، ص:372-373

[15] محمد حسین ھیکل، عمر فاروق، ص۴۲۸، ۴۵۳,۵۵۶,۵۹۷، اسلامی کتب خانہ لاھور، سن ن)

[16] اکبر شاہ نجیب آبادی، تاریخ الاسلام، (لاہور، دار الاندلس) ج:1، ص:450

[17] السیوطي، تاریخ الخلفاء، ص۲۲۶، شبیر برید ر لاھور ۱۹۸۳۰)

[18] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، مترجم طارق اسماعیل، ص:143-145

[19] امام تفتازانی، شرح العقائد ص:152

[20] غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی، خلفاء راشدین، ص۶۹–۷۱، رحمۃ اللعالین پبلی کیشنز سرگودھا، س، ن

[21] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، (شبیر برید، لاہور، 1983)، ص:241

[22] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، مترجم، طارق اسماعیل، ص:178)

[23] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، مترجم، طارق اسماعیل، ص:171)

[24] امام محی الدین رحماوی، شرح الفقہ الاکبر، ص:304)

[25] الجزري في أسنی المطالب في مناقب علي بن أبي طالب ۳۶-۳۷، والآجري في الشریعۃ ۱۷۲۳/۴، الرقم/۱۱۹۴؛ والبیهقي في الاعتقاد/۵۲۴

[26] شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، عظمت صحابیت اور حقیقت خلافت، ص:293

[27] امام جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، اسماعیل طارق، ص:200-201

[28] الطبری،ج4،ص:112،بحوالہ ابوالاعلیٰ مودودی،اسلامی ریاست،لاہور،سے این اے پرنٹرز،2018،ص:294

[29] المسعودی،ج2،ص:42،بحوالہ ابوالاعلیٰ مودودی،اسلامی ریاست،لاہور،سے این اے پرنٹرز،2018،ص:294)

[30] امام جلال الدین سیوطی،تاریخ الخلفاء،،لاہور،نفیس اکیڈمی،1983،ص:25

[31] *Saad Jaffar, butt, sadaf, & Dr Nasir Ali Khan. (2022). ENGLISH: Child Marriage: Its Medical, Social, Economic and Psychological Impacts on Society and Aftermath . Rahat-Ul-Quloob, 6(2), 01-09. https://doi.org/10.51411/rahat.6.2.2022/415*

[32] *ajmal Khan, Muhammad. "ENGLISH-IMPORTANCE OF DA'WAH IN ISLAM: A REVIEW OF THE PROPHET'S DA'WAH STRATEGIES IN STATE OF MADINA." The Scholar Islamic Academic Research Journal 8, no. 1 (2022): 83-103.*

[33] Oxford Advanced Learners Dictionary. P.1330

[34] صلاح الدین ناسک،افکار سیاسی مشرقی و مغرب عزیز پبلشرز لاہور،1975ء،ص،179

[35] *New Catholic Encylopedia Second Edition Vol. 11 Edited by Thomson Gale, Catholic University of America, Washingtion.D.C.2002 page # 495*

[36] شیخ احمد دایدات ،یہودیت، عیسائیت اور اسلام،(عبد اللہ اکیڈمی الکریم مارکیٹ لاہور 2010ء)ص: (208207

[37] *Derived from) The Encyclopedia of Religion Vol. 11 Edited by Mircea Eliade, Macmillan Publishing Company New York, page # 175 to 179*

[38] چوہدری غلام رسول چیمہ ،مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ ،لاہور،علم و عرفان پبلشرز،2006ء)ص:523–524

[39] مولانا اکبر علی،بائبل سے قرآن تک،مکتبہ دار العلوم کراچی،2004ء،ص:95

[40] شیخ احمد دیدات،یہودیت عیسائیت اور اسلام عبد اللہ اکیڈمی انگریم مارکیٹ لا اور 2010 میں 191۔192

[41] پروفیسر چوہدری محمد نواز،مطالعہ مذاہب عالم،پولیمر پبلیکشنز لاہور،1991ء،ص387–397

[42] *The Encyclopedia of Religion Vol.11 Edited by Mircea Eliade, Machillan Publishing Company, New York ,1987,p 179 to 1*